اپنی بات

ایک زمانہ تھا کہ ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی بحث موضوعِ گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اُس کے بعد یہ دیکھنے میں آیا کہ بعض دانشوروں نے قوموں اور علاقوں کی طرح ادب کی بھی تقسیم کردی۔ جیسے تیسری دنیا کا ادب، مغربی دنیا کا ادب اور مشرقی دنیا کا ادب وغیرہ۔ آج کل ایک بحث اور موضوعِ گفتگو ہے کہ ادب میں بھی بعض دانشور اور ادیب بدرنگی تلاش کرنے لگے ہیں۔ جب کہ ادب کو تو بدرنگ ہونا ہی نہیں چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب میں رنگینیاں، شادابیاں اور جلوہ طرازیاں تو ہوسکتی ہیں یا ہوتی ہیں، لیکن وہ بدرنگ نہیں ہوسکتا۔ رنگوں کا بہت سی جگہوں پر اطلاق ہوتا ہے وہ دولت بھی ہوسکتی ہے اور کوئی ذی حس شئے بھی یا پھر ہم ادب میں تخلیقی رنگ بھی تلاش کرسکتے ہیں۔ جو تخلیقیت سے وجود میں آتا ہے اور تہذیبیں اُسے پروان چڑھاتی ہیں، لیکن اُس میں قدرتی رنگ ضرور جھلکتا ہے۔

اگر ادب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اُس میں بطور تمثال پریوں کی کہانیاں، اخلاقی کہانیاں، سماجی اقدار کی حکایتیں اور داستانیں تہذیبوں کے ارتقا کے ساتھ بدلتی ہیں یا تنزلی اور بے اعتدالی کا شکار ہوجاتی ہیں، لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ یکسر معدوم ہوجائیں یا صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں۔ اس میں شک کی گنجائش نہ کل تھی اور نہ آج ہے کہ ادب نے مختلف ادوار کو دیکھا ہے اور اُن کا اثر بھی قبول کیا ہے۔ ساتھ ہی ہر دور میں پیدا ہونے والے نظریات کو بھی اپنے اندر سمونے کی نہ صرف کوشش کی ہے، بلکہ ہر اُس عہد کے نظریات کو پروان چڑھایا ہے جس کی وجودیت کا ایک زمانہ معترف ہے، جس میں اثر و نفوذ کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی اُن محرکات کو بھی نئی توانائی حاصل ہوتی ہے تاکہ اُس دور کی تاریخ سے اُس کا انسلاک ہوجائے اور محض تیسری دنیا کا ادب نہ رہ کر ہر دور کی تخلیق اور تصنیف کا حصّہ بن جائے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ہم مغلیہ دور میں فارسی ادب، برطانوی دور میں انگریزی ادب اور جنگِ آزادی کے دور میں قوموں کے زوال و عروج کے ادب سے روشناس ہوئے اور ادب اپنے ہر دور کی ماہیت کے ساتھ پروان چڑھتا رہا۔

آج ایسی بہت سی ادبی روایتیں، حکایتیں اور شکایتیں مشاہدے میں آرہی ہیں جو ادب کو کمزور کررہی ہیں، اُن سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔ اُس میں ادب کہیں لسانی ادبیت کا شکار ہے اور کہیں متعصّبانہ ذہنیت کا۔ تعصب تو نہ ذہنوں میں روا ہے اور نہ قوموں میں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسا ادب تخلیق کیا جائے جو آنے والی نسلوں کے لیے تاریخی ورثہ ثابت ہو اور اُس میں ہر دور کی تخلیقات آئینہ کی طرح صاف شفاف نظر آئیں اور ذات اور معاشرے کی اگر کہیں جھلک بھی نظر آئے تو وہ تعمیری ہو، تخریبی نہیں، اس لیے کہ تخریب نہ تو کل جائز تھی اور نہ آج ہی اُس کو کسی بھی زمرے میں روا قرار دیا جاسکتا ہے۔

گزشتہ شمارے میں ہم نے ریسرچ اسکالروں سے گفتگو کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ موضوع کے انتخاب کے وقت کن عوامل کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ الحمدللہ اس کے مثبت نتائج ’ایوانِ اردو‘ کو حاصل ہونے والی تخلیقات سے ظاہر ہورہے ہیں۔ یقین ہے اِس کے دیرپا نتائج سامنے آئیں گے، اس لیے کہ آج کے ریسرچ اسکالرز ہی ہمارے کل کے نئے تخلیق کار، نئے نثر نگار، نئے شاعر اور نئے ناقد کے طور پر اُبھریں گے اور اُردو ادب کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ثابت ہوں گے۔

—ادارہ